نظریہ اباحت اصلیہ کے بارے میں علماء برصغیر کی آراء کا تحقیقی مطالعہ

محمد ممتاز الحسن *

اسلام کے نظام قانون میں اشیاء وحوادث کی شرعی حیثیت کو جاننے اوران پرشرعی حکم لگانے کے لئے سب سے پہلے قرآن وسنت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔قرآن وسنت میں مطلوبہ مسئلے کے حوالے سے صراحتاً یا دلالتاً حکم نہ ملنے کی صورت میں اجتہادی کاوشوں کو بروئے کار لایا جایا جاتا ہے۔جن میں سب سے پہلے پیش آمدہ نو پیدا امر کی نظائر کو تلاش کیا جاتا ہے اور اس پیش آمدہ نو پیدا امر کی اگر کوئی کامل نظیر نصوص میں مل جائے تو اس میں اس کی نظیر کے حکم کو ظاہر اور نافذ کر دیا جاتا ہے۔اسلامی اصول قانون کی اصطلاح میں اسے قیاس کا نام دیا جاتا ہے۔اس پیش آمدہ امر کی نصوص میں نظیر نہ ملنے کی صورت میں حرام اور ممنوع احکام واشیاء کی علت کو دیکھا جاتا ہے اگر حرام اور ممنوع اشیاء کی بھی کوئی علت نہ پائی جارہی ہوتو اس امر کو شرعی اعتبار سے مباح قرار دے دیا جاتا ہے۔مباح کا مطلب ہے کہ شرع نے اس امر کے کرنے یا نہ کرنے کا بندوں کو اختیار دے دیا ہے۔اس تصور کو اباحت اصلیہ کے نظریہ کا نام دیا جاتا ہے۔اس نظریہ اور قاعدہ کے مطابق کائنات میں پیدا کردہ تمام اشیاء اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہیں۔پھر شارع نے جن اشیاء کے کرنے کا لازمی، تاکیدی یا ترغیبی مطالبہ کیا تو وہ بالترتیب فرض، واجب اور مندوب ہو گئیں اور جن اشیاء سے منع کر دیا یا ان کے حوالے سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا یا نقصان دہ قرار دیا تو وہ حرام اور مکروہ ہو گئیں۔اور جن کے کرنے یا ترک وغیرہ کے حوالے سے کسی بھی قسم کا مطالبہ نہ کیا تو وہ اپنی اصل پر بدستور مباح رہیں، کیونکہ شارع نے ایسی اشیاء کے فعل یا ترک پر عفو (درگزر کرنا، جس کے فعل یا ترک پر حرج نہ ہو) کا اعلان کیا ہے اور ایسی اشیاء کے حکم کو بیان نہ کرنا اپنی رحمت قرار دیا ہے۔لہٰذا شرعاً بغیر لازمی مطالبہ کے نہ تو کوئی شئ فرض و واجب ہوسکتی ہے اور نہ بغیر ممانعت کے کوئی شیء حرام یا مکروہ ہوسکتی ہے۔اصول وقواعد فقہ کی کتابوں میں اس کو ''الاصل فی الأشیاء الاباحة''(۱) یا ''الأصل فی الأشیاء الاباحة حتی یدل الدلیل علی التحریم او

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، منہاج یونیورسٹی لاہور، پاکستان۔

المنع۔(۲) کے اصول اور قاعدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس نظریہ اور قاعدہ کا حاصل یہ ہے کہ تمام اشیاء کا مباح ہونا اصل ہے اور ان کا حرام اور واجب وغیرہ ہونا عارض ہے جو کسی واضح دلیل کی بنا پر ہوگا۔ چنانچہ امام بدرالدین عینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

"ان الأصل فی الأشیاء الاباحۃ والحظر طار علیھا۔"(۳)

تحقیق اشیاء میں اصل حکم اباحت ہے حرمت اس پر طاری ہوتی ہے۔

نظریہ اباحت اصلیہ کو سمجھانے کے لئے عملی زندگی سے اس کی یوں مثال دی جاتی ہے کہ شریعت کی مثال ایک راستے اور شاہراہ کی طرح ہے اور شریعت کا لغوی معنی بھی واضح راستہ ہے۔ راستوں اور شاہراہوں کے بارے میں عام دستور یہ ہے کہ جس راستے اور شاہراہ پر چلنا یا دائیں بائیں مڑنا منع ہو وہاں ممانعت کا مخصوص نشان نصب کر دیا جاتا ہے اور جس راستے اور شاہراہ پر چلنا یا دائیں بائیں مڑنا ممنوع نہ ہو وہاں ممانعت کا کوئی نشان نصب نہیں کیا جاتا۔ شاہراہوں اور راستوں میں ممانعت کے نشان کا موجود نہ ہونا اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ اس راستے یا شاہراہ پر چلنے کی عام اجازت ہے بعینہ یہی اصول اور قاعدہ احکام شرعیہ میں نافذ و جاری ہے۔ شریعت میں جو امور اور اشیاء ممنوع تھیں نصوص میں ان سے منع کر دیا گیا ہے اور جو ضروری تھیں ان کے کرنے کا لازمی مطالبہ کیا گیا۔ باقی اشیاء کو مباح کے طور پر بغیر ذکر کئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ بندوں کو ایسی اشیاء کے بارے میں مکمل اختیار اور اجازت ہے کہ وہ چاہیں تو انہیں کریں اور چاہیں تو نہ کریں، کسی بھی صورت میں ان کا مواخذہ نہیں ہوگا۔

اس نظریہ کے بارے میں جہاں تک علماء برصغیر کی آراء کا تعلق ہے تو وہ اس کی حجیت اور اس کے اطلاق کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ علماء برصغیر کی اکثریت اگرچہ نظریہ اباحت اصلیہ کی قائل دکھائی دیتی ہے۔ جیسے شاہ عبدالحق محدث دہلوی، ملا علی قاری، علامہ احمد انبیٹھوی المعروف ملا جیون، عظیم اصولی محبّ اللہ بہاری، بحرالعلوم عبدالعلیٰ انصاری، صدیق حسن قنوجی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، شیخ عبدالرحمٰن مبارکپوری، شرف الحق عظیم آبادی، مولانا مفتی احمد رضا خان بریلوی، مولانا اشرف علی تھانوی، شبیر احمد عثمانی، نواب قطب دین خان دہلوی وغیرہم برصغیر کی وہ معروف علمی شخصیات ہیں جو اس نظریہ کی قائل دکھائی دیتی ہے۔ مگر بعض علماء برصغیر جنکی تعداد اگرچہ بہت تھوڑی ہے اس نظریے اور قاعدے کا سرے سے انکار بھی کرتے ہیں۔ اور وہ اشیاء میں حرمت یا توقف کے اصل ہونے کے قائل ہیں۔ ان علماء میں سے جنکا اس نظریہ کی مخالفت میں تحریری مواد ملتا ہے ان میں نمایاں نام شاہ محمد اسحٰق دہلوی اور مولانا سرفراز خاں گکھڑوی کے ہیں۔

ذیل میں نظریہ اباحت اصلیہ کے قائلین وعدم قائلین کے اہم دلائل اور ان کا تحقیقی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

نظریہ اباحت اصلیہ کے قائلین کے اہم دلائل:۔

نظریہ اباحت اصلیہ کے قائلین نے اپنے موقف پر قرآن وسنت کی کثیر نصوص سے استنباط کیا ہے۔ ذیل میں قرآن وسنت کی چند اہم نصوص ذکر کی جاتی ہیں جن سے علماء برصغیر نے اباحت اصلیہ کا استدلال کیا ہے۔

۱۔هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعاً(۴)

وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لیے پیدا کیا''

اباحت اصلیہ کا استدلال کرنے والوں کے نزدیک اس آیت میں تین کلمات قابل غور ہیں:

۱۔لام ۲۔ما ۳۔جمیعا

کلمہ''لام'' عربی ادب کی رو سے لام انتفاع ہے جس کی رو سے زمین وآسمان کی اشیاء کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ انسان ان سے فائدہ اٹھائے۔کلمہ''ما'' عربی ادب کی رو سے''عام'' ہے جو کہ زمین میں پیدا شدہ تمام اشیاء کو شامل ہے۔اور''جمیعاً'' جسکا معنی ہے تمام۔ یہ لفظ''ما'' کے معنی میں مزید تاکید پیدا کر رہا ہے۔

ان تمام کلمات کا حاصل یہ ہے کہ زمین میں پیدا کی گئی تمام اشیاء انسانوں کے نفع کیلئے پیدا کی گئی ہیں۔ کوئی بھی چیز حقیقی معنی میں نافع اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کا استعمال مباح اور جائز ہو۔پس ثابت ہوا کہ کائنات میں پیدا کردہ تمام اشیاء اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہیں۔علامہ احمد جیون امیٹھویؒ المعروف ملاجیون (۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں۔

"بالجملة ففي الآية دليل على كون الإباحة أصلا في الأشياء۔"(۵)

الغرض اس آیت مبارکہ میں اشیاء میں اِباحت کے اصل ہونے کی دلیل ہے۔

صدیق حسن قنوجی (۱۳۰۷ھ) اپنی تصانیف فتح البیان اور نیل المرام میں مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"فيه دليل أن الأصل فى الأشياء المخلوقة الإباحة حتى يقوم دليل يدل على النقل عن هذا الأصل ولا فرق بين الحيوانات وغيرها مما ينفع به من غير ضررفى التاكيد بقوله جميعاً أقوى دلالة على هذا انتهى مختصراً۔"(٦)

اس میں دلیل ہے کہ پیدا شدہ اشیاء میں اصل اباحت ہے جب تک کوئی دلیل اس اصول سے

پھرنے پر دلالت نہ کرے۔اس میں حیوانات اور دیگر نفع بخش اشیاء جن میں کوئی نقصان نہیں ان میں کوئی فرق نہیں، اور ''جمیعاً'' کے قول سے اس کلام کو مؤکد کیا گیا ہے جو اس پر (تمام اشیاء کے حلال ہونے پر) سب سے قوی دلیل ہے۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی (۱۳۹۵ھ) مذکورہ آیت مبارکہ کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

''فقہاء نے آیت کے الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ زمین پر جو کچھ بھی انسان کے نفع کے لئے پیدا کیا گیا ہے اصلاًان پر حکم اباحت ہی کا ہے، تاوقتیکہ کوئی دلیل عقلی ان کے منع یا حرمت پر قائم نہ ہو۔''(۷)

مولانا غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

''اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ وہی ہے جس نے تمہارے نفع کے لیے زمین میں تمام چیزوں کو پیدا کیا۔ اس آیت میں ''لام'' انتفاع کے لیے ہے۔ سبب اور تعلیل کے لیے نہیں۔ کیونکہ اللہ کے کسی فعل کی کوئی علت نہیں ہوتی اس آیت سے جمہور فقہاء اور اصولین نے یہ استدلال کیا ہے کہ احکام شرعیہ کے وارد ہونے سے پہلے اصل میں سب اشیاء مباح ہیں پھر جب احکام شرعیہ وارد ہوئے تو بعض کام واجب ہو گئے اور بعض کام حرام ہو گئے۔''(۸)

۲۔قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ(۹)

فرما دیجئے: اللہ کی اس زینت (وآرائش) کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمائی ہے اور کھانے کی پاک ستھری چیزوں کو (بھی کس نے حرام کیا ہے)؟ فرما دیجئے: یہ (سب نعمتیں جو) اہلِ ایمان کی دنیا کی زندگی میں (بالعموم روا) ہیں قیامت کے دن بالخصوص (انہی کے لیے) ہوں گی۔ اس طرح ہم جاننے والوں کے لیے آیتیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

اس آیت سے اباحت اصلیہ کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ اس آیت کا کلمہ ''من'' استفہام انکاری ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ زینتوں اور پیدا کردہ اشیاء کو حرام کرنے کی نفی پر دلالت کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زیب وزینت اور خورد ونوش کی تمام اشیاء اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہیں۔ چنانچہ سید امیر علی ملیح آبادی (۱۳۳۷ھ) اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں بیضاوی کے قول کو تائید میں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس آیت میں دلیل ہے کہ مطاعم وملابس وانواع تجملات میں دراصل اباحت ہے، پس سوائے ان مطاعم وملابس وغیرہ کے حرام نہ ہونگے جو کسی دلیل خاص سے حرام یا مکروہ ثابت ہوئے ہوں

اور یہ بیان اصول میں بھی مقرر ہو چکا ہے، اس میں ہمارے زمانے کے عالموں کو زجر شدید ہے کہ بلا دلیل شرعی کے بعض چیزوں کو حلال رکھتے ہیں اور بعض کو حرام کر لیتے ہیں۔"(۱۰)

اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں مولانا مودودی (۱۳۶۰ھ) لکھتے ہیں:

"مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو دنیا کی ساری زینتیں اور پاکیزہ چیزیں بندوں ہی کے لیے پید اکی ہیں۔ اس لیے اللہ کا منشاء تو بہر حال یہ نہیں ہو سکتا کہ انہیں اپنے بندوں کے لیے حرام کر دے اب اگر کوئی مذہب یا کوئی نظام اخلاق، معاشرت ایسا ہے جو انہیں حرام یا قابل نفرت یا ارتقاء روحانی میں سدراہ قرار دیتا ہے۔ تو اس کا یہ فعل خود ہی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہے؟"(۱۱)

مودودی صاحب کے بیان میں اگرچہ صراحتاً قاعدہ اباحت کا ذکر نہیں ہے لیکن بیان کی معنویت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ ان کے نزدیک بھی اشیاء میں اصل اباحت ہے اس لئے کہ ان کا یہ کہنا اشیاء کی تخلیق بندوں کے لئے ہے۔ اس لئے وہ بندوں کے لئے حلال ہیں ان پر حرمت کا حکم غیر شرعی ہے نظریہ اباحت اصلیہ کی ہی تفسیر ہے۔

ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (۱۳۸۰ھ) لکھتے ہیں۔

"آیات بالا میں اس امر کی وضاحت ہے کہ کھانے پینے کی تمام اشیاء حلال ہیں۔ سوائے ان کے جن پر شریعت مطہرہ نے حرمت عائد کی ہو۔ اس لیے کہ اصول میں یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔"(۱۲)

مفتی احمد یار خان نعیمی (۱۳۹۱ھ) لکھتے ہیں۔

"خیال رہے کہ من حرم میں سوال انکاری ہے۔ یعنی یہ چیزیں کس نے حرام کی ہیں اللہ تعالیٰ نے یارسول ﷺ نے انہوں نے تو حرام کی نہیں پھر تم کیوں حرام سمجھتے ہو۔"(۱۳)

آگے چل کر اس آیت سے حاصل ہونیوالے فوائد کے تحت لکھتے ہیں:

"ہر چیز میں اصل اباحت ہے حرام ہونا کسی ممانعت کی دلیل سے ہوگا یعنی جس چیز سے شریعت میں منع نہ فرمایا خاموشی فرمائی وہ مباح ہے ہاں جس چیز کو منع فرمایا وہ حرام یا مکروہ ہے یہ فائدہ قل من حرم سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حرام نہ کرنے کو حلال ہونے کی دلیل قرار دیا کہیں یہ نہ فرمایا کہ "من احل" فلاں چیز کس نے حلال کی؟ حلال ہونے کی دلیل حرام نہ ہونا ہے۔"(۱۴)

۳۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَآ اُحِلَّ لَهُمْط قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ (۱۵)

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ ان کے لیے کیا چیزیں حلال کی گئی ہیں، آپ (ان سے) فرما دیں کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال کر دی گئی ہیں۔

اس آیت سے اباحت اصلیہ کے نظریہ کے استدلال کی اساس یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس نے طیبات کو حلال قرار دیا ہے۔ طیبات سے مراد وہ اشیاء ہیں۔ جن کی حرمت وکراہت کتاب وسنت سے ثابت نہ ہو اور نہ ہی ان میں کوئی دینی یا بدنی نقصان ہو۔ پس ثابت ہوا جس امر کا حرام اور نقصان دہ ہونا نصوص میں ثابت نہ ہو وہ مباح اور جائز ہوتا ہے۔ اسکی اباحت وجواز پر الگ سے دلیل کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''حلال کا دائرہ تو بہت وسیع ہے چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں کوئی دینی یا بدنی نقصان تھا، دنیا کی تمام ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال ہیں۔''(۱۶)

اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں سید امیر علی (۱۳۳۷ھ) لکھتے ہیں:

''بالجملہ تفسیر طیب کی ہمارے نزدیک وہ ہے کہ جس کی حرمت یا کراہت تحریمی، کتاب اور سنت رسول ﷺ واجماع امت سے ثابت نہ ہو اور قولہ تعالیٰ قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِيۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِىۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ الآیۃ (۱۷) سے نکالا گیا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے مگر وہ کہ مخصوص بکتاب وسنت واجماع ہو پس حرام کلیات کتاب سنت واجماع سے نکالنے کے بعد حلت ہے۔''(۱۸)

علامہ ابوالحسنات سید محمد قادری (۱۳۸۰ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اس پر مفسرین کرام نے تصریح کی کہ جن کی حرمت قرآن وحدیث واجماع وقیاس سے ثابت نہیں اور وہ پاک ہے تو جائز ہے اس لیے کہ عدم ثبوت عدم جواز کو مستلزم نہیں ہوتا۔ اس بنا پر دوسرے مقام پر فرمایا ''عفا اللہ عنہا'' مسکوت عنہا جتنی چیزیں ہیں وہ معاف ہیں۔''(۱۹)

۴۔ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ(۲۰)

کھاؤ اور پیو اور حد سے زیادہ خرچ نہ کرو کہ بے شک وہ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا

اس آیت سے اباحت اصلیہ کا استدلال کرنے والے یوں استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں کھانے اور پینے کا تو حکم ہے مگر کس چیز کو کھانا اور پینا ہے۔ اس مفعول کا ذکر نہیں کیا گیا بلکہ کھانے پینے کے حکم کو عام رکھا گیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی فعل یا شے کا امر تو ہو آگے مفعول ذکر کر کے اسے مخصوص نہ کیا

گیا ہوتو وہ امر تمام اشیاء کو شامل ہوتا ہے لہٰذا یہ حکم جن اشیاء کی حرمت نص میں بیان ہو چکی ہے کے علاوہ تمام اشیاء کے کھانے پینے کی اباحت کو شامل ہوگا۔پس ثابت ہوا کہ تمام اشیاء اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہیں سوائے ان اشیاء کے جن کی حرمت اور ممانعت پر کوئی شرعی دلیل قائم ہو جائے۔

چنانچہ مفتی محمد شفیع (۱۳۹۶ھ) لکھتے ہیں:

''اشیاء عالم میں اصل اباحت و جواز ہے۔ جب تک کسی دلیل سے حرمت وممانعت ثابت نہ ہو کوئی چیز حرام نہیں ہوتی ایک مسئلہ اس آیت سے احکام القرآن جصاص کی تصریح کے مطابق یہ نکلا کہ دنیا میں جتنی چیزیں کھانے پینے کی ہیں۔ اصل ان میں یہ ہے کہ وہ سب جائز وحلال ہیں۔ جب تک کسی خاص چیز کی حرمت وممانعت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے ہر چیز کو جائز وحلال سمجھا جائے گا۔اس کی طرف اشارہ اس بات سے ہوا کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کا مفعول ذکر نہیں فرمایا۔کہ کیا چیز کھاؤ پیو اور علماء کی تصریح ہے کہ ایسے موقع پر مفعول ذکر نہ کرنا۔اس کے عموم کی طرف اشارہ ہوا کرتا ہے۔کہ ہر چیز کھا سکتے ہو۔بجز ان اشیاء کے جن کو بالتصریح حرام کر دیا گیا ہے۔''(۲۱)

مولانا محمد نعیم (۱۳۶۷ھ) لکھتے ہیں:

''علمائے اصول نے اس آیت سے یہ سمجھا کہ کھانے پینے کی تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال اور جائز ہیں جب تک کسی چیز کی حرمت اور ممانعت کسی شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو جائے کیونکہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا دونوں کے مفعول کو ذکر نہیں کیا گیا جس سے باقاعدہ بلاغت عموم اور جواز معلوم ہوا۔الا یہ کہ کسی چیز کا حرام ہونا صراحتہ معلوم ہو جائے تو وہ حرام ہوگی۔''(۲۲)

۵۔قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْلَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ج فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ(۲۳)

آپ فرما دیں کہ میری طرف جو وحی بھیجی گئی ہے اس میں تو میں کسی (بھی) کھانے والے پر (ایسی چیز کو) جسے وہ کھاتا ہو حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مُردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سُور کا گوشت ہو کیونکہ یہ ناپاک ہے یا نافرمانی کا جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص (بھوک کے باعث) سخت لاچار ہو جائے نہ تو نافرمانی کر رہا ہو اور نہ حد سے تجاوز کر رہا ہو تو بے شک آپ کا رب بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

قائلین اباحت کے نزدیک اس آیت میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کہہ دیں کہ میں وحی میں ان جانوروں (جن کا ذکر نص میں ہے) کے علاوہ کسی جانور کے کھانے کو حرام نہیں پاتا جس کا مطلب ہوا کہ حرمت کے لیے وحی کا ہونا ضروری ہے خواہ وحی کی دلالت صراحۃً ہو یا استنباطاً مگر وحی کا ہونا ضروری ہے۔ حلال کے لیے وحی کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر حلال کے لیے بھی وحی (نص) کا ہونا ضروری ہوتا تو فرمایا جاتا کہ مجھ پر وحی میں جو حلال کیا گیا ہے ان میں ان جانوروں کا ذکر نہیں پاتا جبکہ ایسا نہیں فرمایا گیا۔ نیز اس آیت میں ان جانوروں کے وحی میں حرام نہ ہونے کو حلال ہونے کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ اگر اصل اشیاء میں حرمت یا توقف مانا جائے تو یہ آیت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اصلاً تمام اشیاء مباح ہیں۔

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (۱۳۸۰ھ) اس آیت سے اباحت کا استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''فرما دیجئے میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کہ کسی کھانے والے پر کھانا حرام ہو۔ یہ کنایہ ہے عدم وجود محرمات کا اور اس میں اعلان ہے کہ طریق تحریم و تحلیل بلا تنصیص الٰہی لغو ہے اور اتباع شہوات و نفسیات۔ اسلام میں یہ اصول ہے کہ ''اصل اشیاء میں اباحت ہے۔'' (۲۴)

مولانا محمد ادریس کاندھلوی (۱۳۹۴ھ) لکھتے ہیں:

> ''گزشتہ آیت میں حرام چیزوں کی تفصیل تھی اب قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ حلال کیا کیا چیزیں ہیں؟ تو رب تعالیٰ جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ حلال کا دائرہ بہت وسیع ہے چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں دینی دنیوی، روحانی یا جسمانی نقصان تھا ان کے علاوہ دنیا کی تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں۔'' (۲۵)

۶۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ ج وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْط عَفَا اللّٰهُ عَنْهَاط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ (۲۶)

اے ایمان والو! تم ایسی چیزوں کی نسبت سوال مت کیا کرو (جن پر قرآن خاموش ہو) کہ اگر وہ تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں مشقت میں ڈال دیں (اور تمہیں بری لگیں)، اور اگر تم ان کے بارے میں اس وقت سوال کرو گے جب کہ قرآن نازل کیا جا رہا ہے تو وہ تم پر (نزولِ حکم کے ذریعے) ظاہر (یعنی متعیّن) کر دی جائیں گی (جس سے تمہاری صوابدید ختم ہو جائے گی اور تم ایک ہی حکم کے پابند ہو جاؤ گے)۔ اللہ نے ان (باتوں اور سوالوں) سے (اب تک) درگزر فرمایا ہے، اور اللہ بڑا بخشنے والا بردبار ہے۔

اس آیت میں اشیاء وافعال کے حوالے سے دو باتیں ثابت ہورہی ہیں۔ پہلی یہ کہ مسکوت عنھا اشیاء وافعال کے بارے میں سوال کرنا منع ہے۔ سوال کرنے سے منع اس لیے کیا گیا ہے کہ کہیں وہ سوال اس شے کے بارے میں حرمت کے حکم کے نازل ہونے کا سبب نہ بن جائے۔ اس طرح مکلفین کو ان اشیاء وامور کے فعل یا ترک میں جو سہولت اور گنجائش حاصل تھی وہ ختم ہو جائے گی جبکہ اللہ تعالیٰ یہ سہولت اور گنجائش دینا چاہتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ مسکوت عنھا اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا ہے۔ کوئی انہیں کرے یا نہ کرے اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ شرعاً کسی امر کے کرنے یا نہ کرنے پر مواخذہ کا نہ ہونا اس کے مباح ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ شرعاً انسان ان کے فعل اور ترک میں آزاد اور مختار ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی (۱۳۲۹ھ) آیت بالا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''خدا نے جس چیز کو کمال حکمت وعدل سے حلال یا حرام کر دیا وہ حلال یا حرام ہوگئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع دی۔ مجتہدین کو اجتہاد کا موقع ملا عمل کرنے والے اس کے فعل اور ترک میں آزاد ہیں۔'' (۲۷)

مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی (۱۳۶۷ھ) لکھتے ہیں:

> ''اس آیت سے ثابت ہوا کہ جس امر کی شرع میں ممانعت نہ آئی ہو وہ مباح ہے۔ حضرت سلیمان والی حدیث میں ہے کہ حلال وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا حرام وہ ہے جس کو اس نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا اور جس سے سکوت کیا وہ معاف تو کلفت میں نہ پڑو۔'' (۲۸)

۷۔ **وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ** (۲۹)

اس نے تمہارے لیے ان (تمام) چیزوں کو تفصیلاً بیان کر دیا ہے جو اس نے تم پر حرام کی ہیں۔

اس آیت سے اباحت اصلیہ کے استدلال کی اساس یہ ہے کہ اس آیت میں صراحت ہے کہ حرام چیزوں کی تفصیل بیان کردی گئی ہے۔ حلال چیزوں کے حوالے سے پورے قرآن میں کہیں دعویٰ نہیں کیا گیا کہ انکی تفصیل بیان کر دی گئی ہے۔ جس سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ جس چیز کے حرام ہونے کی تفصیل بیان نہ کی گئی ہو وہ حرام نہیں ہوتی مباح ہوتی ہے۔ کسی شے کے حلال اور مباح ہونے کے لیے نص کا ہونا ضروری نہیں اگر کسی شے کی حرمت کی طرح حلت اور اباحت کیلئے بھی نص کا ہونا ضروری ہوتا تو پھر ان کے بارے میں بھی یوں حکم نازل کیا جاتا کہ ''اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے لیے حلال چیزوں کو تفصیلاً بیان کردیا ہے جو اس نے تمہارے لیے حلال کی ہیں''

نصوص میں حرام چیز کے ذکر کا مفصل ہونا اور حلال چیزوں کے ذکر کا مفصل نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ثبوت حرمت کیلئے تو حکم حرمت ضروری ہے ثبوت اباحت اور حلت کے لیے حکم حلت و اباحت ضروری نہیں ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی (۱۳۹۱ھ) اس آیت سے حاصل ہونے والے فوائد کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''دسواں فائدہ: اسلامی قانون یہ ہے کہ حرام چیزوں کا ذکر تفصیل سے ہوا اور حلال کی تفصیل کی ضرورت نہیں کیونکہ جسے شریعت حرام نہ کرے حلال ہوتی ہے۔ اس کو کہتے ہیں کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی یہ فائدہ **فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ** (۳۰) سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے حرام عورتوں کی تفصیل بیان کی اور حلال عورتوں کے متعلق فرمایا **وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُم** (۳۱) اور فرماتا ہے **قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ** (۳۲) ان سب سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس چیز کو شریعت حرام نہ کرے اس سے خاموش ہو وہ حلال ہے۔'' (۳۳)

فضل شاہ (۱۳۹۸ھ) لکھتے ہیں:

> ''جہاں حرمت کا حکم ہے اس کو بالکل واضح کر دیا ہے۔ تفسیر کا منشا ہی حدود کو روشن کرنا ہوتا ہے۔ اگر کسی جگہ حرمت کا حکم نہ ہونے کے باوجود طبیعت رکتی ہوئی معلوم ہو تو یہ عطائے الٰہی کی ناشکری ہوگئی۔''

آگے چل کر حاصل کلام میں لکھتے ہیں:

> ''حاصل جہاں حرمت کا حکم نہ ہو وہاں اباحت ثابت ہوتی ہے۔' (۳۴)

وہ آیات جن سے اباحت اصلیہ کے نظریہ اور قاعدہ کا استدلال کیا گیا ہے ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے طوالت کے خوف سے یہاں اتنی آیات کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ اباحت اصلیہ کے قائلین نے اپنے موقف پر قرآن کے علاوہ احادیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ جن میں سے چند معروف احادیث درج ذیل ہیں۔

> ۱۔ عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ النَّبِيَّ قَالَ: إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِيْنَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ۔ (۳۵)
>
> حضرت سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم نے فرمایا: مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہیں کی گئی تھی لیکن اس کے سوال کرنے کے باعث حرام کر دی گئی۔

قائلین اباحت اس حدیث سے اپنے موقف کا یوں استدلال کرتے ہیں کہ اس حدیث میں اس شخص کو

سب سے بڑا مجرم قرار دیا جا رہا ہے جس کے سوال کی وجہ سے کوئی چیز حرام ٹھہری ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ چیز حرمت کی نص کے آنے سے پہلے حرام نہ تھی مباح تھی۔ لوگوں کو اختیار تھا کہ اسے کریں یا نہ کریں۔ اگر اشیاء میں اباحت اصل نہ ہوتی حرمت اصل ہوتی تو پھر یوں ارشاد نہ فرمایا جاتا پس ثابت ہوا کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ چنانچہ اس حدیث سے اباحت اصلیہ کا استدلال کرتے ہوئے مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی (۱۳۴۰ھ) لکھتے ہیں:

> ''چونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اس لئے جب تک کسی چیز سے منع نہیں کیا گیا تھا وہ جائز تھی اب کسی نے پوچھا اور اس کا حکم بیان کر دیا گیا کہ یہ حرام ہے جس کی وجہ سے لوگ تنگی میں پڑ گئے اس لئے عہد رسالت میں مناسب یہی تھا کہ کسی چیز کے بارے میں لوگ پوچھتے نہیں تھے جب تک ممانعت نہ ہوتی اس پر عمل کرتے رہتے۔'' (۳۶)

۲۔ حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے کہ

> سئل رسول الله عن السمن والجبن والفراء فقال الحلال ما أحل الله في كتابه والحرام ما حرم الله في كتابه وما سكت عنه فهو مما عفا عنه۔(۳۷) وفی رواية: وما سكت عنه فهو عفو فاقبلوا من الله عافيته۔(۳۸)

> حضور نبی اکرم ﷺ سے گھی، پنیر اور پوستین کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حلال وہ (چیز) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حلال قرار دیا ہے اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام ٹھہرا دیا ہے۔ وہ اشیاء جن کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا گیا تو وہ ان میں سے ہیں جو معاف کر دی گئی ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے اور جن سے اللہ نے سکوت اختیار فرمایا ہے وہ معاف ہیں پس اللہ کی معافی کو قبول کرو۔

نوٹ: یہ حدیث سیف بن ہارون کے طریق سے مروی ہے اور وہ ضعیف ہیں مگر دیگر طرق اور شواہد و متابعات کی وجہ سے اسے تقویت حاصل ہوگئی ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے استدلال کرنا درست ہے۔

قائلین اباحت کہتے ہیں کہ یہ حدیث صراحتہً دلالت کر رہی ہے کہ جس چیز کی حلت و حرمت کے حوالے سے نصوص خاموش ہوں وہ چیز معفو عنہ (جس کے کرنے یا نہ کرنے پر نہ مواخذہ ہو نہ ثواب) ہے اس کے کرنے یا نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتی پس ثابت ہوا کہ مسکوت عنہا اشیاء مباح الاصل ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"وایں دلیل است بر آنکه اصل در اشیاء اباحت است۔"(۳۹)

یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

ملاعلی قاری (۱۴۰۴ھ) اس حدیث کے آخری جملہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و فیه أن الأصل فی الأشیاء إلاباحة و یؤیده قوله تعالی" **هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا**(٤٠)(٤١)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے اور اس بات کی تائید اللہ تعالی کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے۔ وہی ہے جس نے جو کچھ زمین میں ہے وہ تمہارے لیے پیدا کیا۔

۳۔حضرت ابوثعلبہ الخشنی سے مروی ہے کہ:

عن اَبي ثعلبة الخشنيِ قال: قال رسول اللّٰہ: إن اللّٰہ فرض فرائض فلا تضیعوها وحرم اشیاء فلا تنتهکوها وحد حدودا فلا تعتدوها وسکت عن أشیاء رحمة بکم من غیر نسیان فلا تبحثوا فیها۔(٤٢)

حضرت ابوثعلبہ خشنی سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں فرض فرمائیں انہیں ضائع نہ کرو کچھ حرمتیں قائم فرمائیں انہیں پامال نہ کرو کچھ حدیں قائم فرمائیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو، اور کچھ چیزوں کے بارے میں تم پر رحمت کی وجہ سے سکوت اختیار فرمایا ہے اس وجہ سے نہیں کہ ان کا حکم بیان کرنا اللہ تعالی بھول گیا۔ ان کی کرید نہ کرو۔

اس حدیث مبارکہ میں مسکوت عنہا اشیاء کے بارے میں کرید کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ان چیزوں کے حکم کو بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا خاموشی اختیار فرمانا تم پر رحمت کی وجہ سے ہے نسیان کی وجہ سے نہیں ہے۔ رحمت کی وجہ سے خاموشی اختیار فرمانے کی واضح حکمت یہی ہے کہ وہ تمہارے لئے مباح ہیں۔ چاہو تو کرو اور چاہو تو ان کو ترک کر دو، کرنے یا نہ کرنے پر تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ ملا علی القاریؒ حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشاد گرامی لا تبحثوا فیها(٤٣) (باقی چیزوں سے بحث نہ کرو) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أی لا تفتشوا عن تلك الأشیاء دلّ علی أن الأصل في الأشیاء الإباحة کقوله تعالی: **هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا**(٤٤) (٤٥)

یعنی ان اشیاء کے بارے میں تفتیش نہ کرو یہ فرمان نبوی کریم ﷺ دلالت کرتا ہے کہ اشیاء میں

اصل اباحت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی (وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمہارے لیے پیدا کیا) سے اباحت ثابت ہوتی ہے۔

اباحت اصلیہ کے قائلین کے قرآن وحدیث سے اہم دلائل ذکر کرنے کے بعد ذیل منکرین اباحت کے دلائل کو بیان کیا جاتا ہے۔

منکرین اباحت کے دلائل:

جو علماء برصغیر اشیاء میں حرمت یا توقف کے قائل ہیں۔ وہ اپنے موقف پر درج ذیل دو احادیث پیش کرتے ہیں:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ

قال رسول اللّٰہ الأمر ثلثة، أمر بين رشده فاتبعه، وأمر بين غيه فاجتنبه، وأمر اختلف فيه فكله الى اللّٰه عزوجل(٤٦)

رسول اللہ نے فرمایا کہ امور تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ جس کا ہدایت ہونا واضح ہو، سو اس کی اتباع کرو، اور دوسرا وہ کام ہے کہ اسکی گمراہی ظاہر ہو، سو اس سے اجتناب کرو اور تیسرا وہ جس میں اشتباہ واقع ہو، سو اسکا معاملہ خدا کے سپرد کر دو۔

مولانا سرفراز خان (۲۰۰۹ء) اس روایت سے توقف کا استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس روایت کے آخری جملہ سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ جس معاملہ کا حکم مخفی ہو اور اس میں اشتباہ ہو تو ایسے معاملہ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر کے اس میں توقف کرنا چاہیے نہ یہ کہ اس کے ساتھ مباح کا معاملہ ہو'' (۴۷)

۲۔ ابوثعلبہ الخشنی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قال: قال رسول اللّٰه: إن اللّٰه لفرض فرائض فلا تضيعوها وحرم حرمات فلا تنتهكوها وحد حدودا فلا تعتدوها وسكت عن أشياء رحمة بكم من غير نسيان فلا تبحثوا فيها(٤٨)

''حضرت ابوثعلبہ خشنی ص سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں فرض فرمائیں انہیں ضائع نہ کرو کچھ حرمتیں قائم فرمائیں انہیں پامال نہ کرو کچھ حدیں قائم فرمائیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو، اور کچھ چیزوں کے بارے میں تم پر رحمت کی وجہ سے سکوت اختیار فرمایا ہے اس وجہ سے نہیں کہ ان کا حکم بیان کرنا اللہ تعالیٰ بھول گیا ان کی کرید نہ کرو۔''

مولانا سرفراز خان(۲۰۰۹ء) اس حدیث سے توقف کا اثبات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ روایت بھی توقف کی دلیل ہے جیسا کہ ظاہر ہے باقی رہی (وماسکت عنه فهو مما عفا عنه)(۴۹) تو اس حدیث سے بھی توقف ہی مراد ہے اس سے اباحت کا اثبات درست نہیں ہے۔ کما لا یخفی''۔(۵۰)

منکرینِ اباحت کے دلائل کا جائزہ:

منکرینِ اباحت نے اپنے موقف میں جن دو احادیث سے توقف کا استدلال کیا ہے اس استدلال کا اصل مسئلہ سے تعلق نہیں بنتا کیونکہ ان احادیث میں مشتبہ امور کا حکم بیان کیا جا رہا ہے جبکہ مابه النزاع امر مسکوت عنها اشیاء سے متعلق ہے، ان دونوں کی حقیقتوں میں فرق ہے۔ مشتبہ امور سے مراد ایسے امور ہیں جن کے بارے میں دو دلیلیں آپس میں متنازع ہوں، ایک دلیل کا تقاضا ہو کہ اسے حلال کے ساتھ ملایا جائے اور دوسری دلیل کا تقاضا ہو کہ اسے حرام کے ساتھ ملایا جائے۔ جہاں تک مسکوت عنھا امور کا تعلق ہے تو وہ اس میں داخل نہیں ہیں بلکہ نصوص کے مطابق وہ معفو عنها ہیں اور انکا معفو عنها ہونا نصوص سے ثابت ہے۔

اشیاء میں توقف کے اصل ہونے پر ابو ثعلبہ سے مروی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مولانا سرفراز خان نے یہ تو لکھ دیا ہے کہ یہ روایت توقف کی دلیل ہے، لیکن توقف کے استدلال کی وضاحت نہیں کی۔ جبکہ اسی حدیث سے اباحت کے قائلین نے بھی استدلال کیا ہے جیسا کہ قائلین کے دلائل میں گزر چکا ہے اور استدلال کی تفصیل بھی ذکر کی ہے۔ اس حدیث سے توقف کیسے ثابت ہوتا ہے یہ بات وضاحت طلب ہے مگر موصوف نے ایسی کوئی وضاحت نہیں کی۔

اسی طرح وما سکت عنه فهو مما عفا عنه(۵۱) سے توقف کا استدلال کیسے ہوتا ہے کوئی وضاحت نہیں کی۔ جبکہ کبار محدثین جیسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی(۱۰۵۲ھ)، شیخ عبدالرؤف مناوی(۱۰۳۱ھ) اور شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری(۱۳۵۳ھ) نے اس سے اباحت اصلیہ کا استدلال کیا ہے ۔جیسا کہ قائلین اباحت کے دلائل کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے۔

نظریہ اباحت اصلیہ کے حوالے سے علماء برصغیر کے دلائل کا جائزہ لینے سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ نظریہ اباحت اصلیہ کو ترجیح حاصل ہے جس کے دلائل درج ذیل ہیں۔

نظریہ اباحت کے راجح ہونے کے دلائل:

۱۔ اباحت اصلیہ کے قائلین کے دلائل کثیر ہیں جبکہ مخالفین کے دلائل ان کے مقابلے میں بہت تھوڑے ہیں۔

۲۔ اباحت کے قائلین کے دلائل زیادہ قوی ہیں کیونکہ ان کے دلائل قرآن و حدیث کی ان نصوص سے ثابت ہیں جو اشیاء میں اباحت کے اصل ہونے پر زیادہ صریح اور واضح ہیں بلکہ بعض دلائل تو عبارۃ النص کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے احادیث وما سکت عنه فهو مما عفا عنه۔(۵۲) اوروما سکت عنه فهوعفو فأقبلوا من الله عافيته (۵۳) وغیرہ اور عفو کا معنی نفی حرج اور عدم مؤاخذہ ہے یعنی جس شے کے فعل یا ترک پر مؤاخذہ اور حرج نہ ہو اور یہی اباحت کی حقیقت ہے۔

۳۔ منکرین اباحت جو اشیاء میں اصلاً حرمت یا توقف کے قائل ہیں۔ان کے دلائل اباحت کے قائلین کے دلائل کے مقابلے میں کمزور ہیں۔ کیونکہ اباحت کے مخالفین نے اپنے موقف پر جو دلائل دیئے ہیں ان دلائل کا مابہ النزاع امر سے تعلق ہی نہیں ہے۔ مثلاً توقف کے قائلین نے جن احادیث سے توقف کا استدلال کیا ہے ان احادیث کا تعلق ان امور اور اشیاء سے ہے جو مشتبہ اور اختلافی ہوں یعنی ایسے امور جن کے بارے میں بعض دلائل کا تقاضا ہو کہ انہیں حلال کے ساتھ ملایا جائے اور بعض دلائل کا تقاضا ہو کہ انہیں حرام کے ساتھ ملایا جائے ایسے مشتبہ امور کے بارے میں اباحت کے قائلین بھی توقف کے قائل ہیں، جبکہ امر مابہ النزاع کا تعلق مسکوت عنها اشیاء سے ہے یعنی ایسی اشیاء جن کے بارے میں شرع بالکل خاموش ہو اور نصوص میں ان اشیاء یا انکی انواع کا صراحتاً، دلالتاً یا قیاساً کسی بھی طرح ذکر نہ ہو۔ **مسکوت عنها** اور مشتبہ اشیاء کی حقیقت میں فرق ہے۔ لہٰذا ان کے حکم میں بھی فرق ہوگا۔

۴۔ اباحت کے قائلین کا موقف مقاصد شریعت کے زیادہ مطابق ہے اس لیے کہ یہ موقف تمام پیدا ہونے والے نئے واقعات و ایجادات کے احکام پر مشتمل دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ اصولین و فقہاء کے نزدیک صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ کوئی واقعہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے خالی نہیں ہے اور ادلۃ شریعہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام حوادث و ایجادات کے حکم کو شامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرما دیا ہے۔

اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ (۵۴)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

جبکہ ورود شریعت کے بعد توقف کا قول کرنا درست نہیں ہے کیونکہ توقف کے دو معانی ہیں۔ توقف کا ایک معنی ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ اس شے کے بارے میں شریعت کا حکم ہے بھی یا نہیں۔(۵۵)

دوسرا معنی ہے کہ اس کے بارے میں بالکل کوئی حکم ہے ہی نہیں۔(۵۶)

اور یہ بات شریعت کے کامل ہونے کے مخالف ہے کیونکہ مذہب مختار یہ ہے کہ ہماری شریعت میں ہر شے اور ہر تصرف کا حکم موجود ہے خواہ وہ صراحتاً ہو یا اشارۃً ہو، قیاساً ہو یا اباحۃً حکم ضرور پایا جاتا ہے اور کوئی واقعہ یا حادثہ حکم شرعی کے دائرے سے خارج نہیں ہے۔اسی طرح **مسکوت عنہا** اشیاء پر حرمت کا حکم لگانا بھی شریعت کے مزاج اور مقاصد سے موافقت نہیں رکھتا کیونکہ شریعت نے جن چیزوں کے حکم کو بیان کرنے سے سکوت اختیار فرمایا ہے ان میں شریعت نے گنجائش اور توسیع دی ہے کیونکہ شارع نے اسے اپنی رحمت اور عفو قرار دیا ہے۔ رحمت اور عفو (عدم حرج اور عدم مواخذہ) ہونا اس وقت ہی درست بنتا ہے جب انسانوں کو **مسکوت عنہا** اشیاء اور امور کے فعل یا ترک کی آزادی اور اجازت ہو ان **مسکوت عنہا** اشیاء وامور پر اگر حرمت وغیرہ کا حکم لگا یا جائے تو شارع کا ان سے سکوت اختیار فرمانے کو اپنی رحمت اور عفو قرار دینا درست نہیں رہتا کیونکہ اس سے شریعت کی عطا کردہ گنجائش، آزادی اور سہولت ختم ہو جاتی ہے اور زندگی کا دائرہ عمل تنگ اور محدود ہو جاتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا محرمات کو مفصلاً اور کلمات حصر سے بیان کر دینا بھی اباحت اصلیہ کے قول کے راجح ہونے کی مضبوط دلیل ہے۔

۶۔ شریعت کی تعلیمات سے یہ امر بخوبی واضح ہے کہ شارع جب تک کسی شئے کی بارے میں کوئی حکم نہ نازل فرما دے اس وقت تک بندوں کو اس شئے کے فعل یا ترک کا مکلّف نہیں ٹھراتا، اور جب تک بندوں کو کسی شئے کا مکلّف نہیں ٹھراتا اس وقت تک اس کے بارے میں اس کے ترک یا فعل پر مؤاخذہ بھی نہیں فرماتا۔جیسا کہ ذیل کی آیات سے ثابت ہو رہا ہے۔

(الف)وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (۵۷)

اور ہم ہرگز عذاب دینے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ہم (اس قوم میں) کسی رسول کو بھیج لیں۔

(ب)وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا (۵۸)

اور آپ کا رب بستیوں کو تباہ کرنے والا نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اس کے بڑے مرکزی شہر (Capital) میں پیغمبر بھیج دے جو ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرے۔

(ج)وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ (۶۹)

اور اللہ کی شان نہیں کہ وہ کسی قوم کو گمراہ کر دے اس کے بعد کہ اس نے انہیں ہدایت سے نواز دیا

ہو، یہاں تک کہ وہ ان کے لیے وہ چیزیں واضح فرمادے جن سے انہیں بچنا ہے۔

ان آیات میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ممنوعات کو واضح کیے بغیر اور احکام شریعت کے ساتھ رسول کو بھیجے بغیر کسی کو گمراہ ٹھہرائے یا مواخذہ فرمائے۔

استاد محمد سلام مدکور لکھتے ہیں:

"ان التکلیف بدون بیان تکلیف بمالایطاق، و ھوقبیح، تعالٰی اللّٰہ عنہ۔"(۶۰)

(کسی شئے کا حکم) بیان کئے بغیر اسکا مکلّف ٹھہرانا یہ تکلیف مالایطاق کے دائرے میں آتا ہے اور یہ قبیح ہے اللہ تعالٰی کی شان اس سے بلند تر ہے۔

۷۔ وضعی قانون سے بھی اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ وضعی قانون میں قانون جرم وسزا کا یہ ایک بنیادی قاعدہ ہے کہ

"لاجریمۃ ولا عقوبۃ الا بنص۔"(۶۱)

(قانونی) نص کے بغیر نہ تو کوئی (عمل) جرم بنتا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی سزا ہے۔

مذکورہ بالا قاعدہ کا مطلب ہے کہ افراد کے اعمال اور ان کے طور طریقے اس وقت تک جرائم شمار نہیں ہوتے جب تک کسی ملک کی قانون ساز اتھارٹی کی طرف سے کوئی ایسی قانونی نص نہ پائی جائے جو اس مخصوص عمل کو جرم قرار دیتی ہو اور اس پر سزا مقرر کرتی ہو۔

پس ثابت ہوا کہ جب تک کسی عمل یا شئے کی معصیت وممنوع ہونے پر کوئی شرعی نص نہ پائی جائے اس وقت تک وہ شئے یا عمل مباح رہے گا اس کے فعل یا ترک پر کوئی حرج یا مواخذہ نہیں ہوگا نظریہ اباحت اصلیہ کی بھی یہی حقیقت ہے۔

قاعدہ اباحت کے مستثنیات:۔

قاعدہ اباحت کے ضمن میں اس بات کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ تمام قواعد فقہیہ میں کچھ استثناء ات بھی پائے جاتے ہیں جن کے کئی اسباب ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایک خاص معاملہ کسی ایک قاعدہ کی بجائے کسی دوسرے قاعدہ کے ماتحت ہوتا ہے، کبھی ایک قاعدہ کا ایک خاص تقاضا ہوتا ہے جس کے پیش نظر مجتہد کسی معاملہ میں اس قاعدہ کی بجائے دوسرے اصول کو منطبق کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اسی طرح کبھی عدل وانصاف، جلب مصالح، دفع مفاسد اور رفع حرج کے پیش نظر ایک قاعدہ کے انطباق کو محدود کر دیا جاتا ہے۔ نتیجتاً بعض امور ان قواعد کے اطلاق

کے دائرے سے مستثنیٰ ہوجاتے ہیں۔ان استثناءات سے کسی قاعدہ کا بطلان ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ استثناءات قاعدہ کلیہ کی حدود قیود کا تعین کرتے ہیں۔ان استثناءات کے علاوہ باقی صورتوں میں اس قاعدے کا اطلاق بدستور باقی رہتا ہے۔چنانچہ قاعدہ اباحت کے ذیل میں بھی بعض امور ایسے ہیں جن پر قاعدہ اباحت کا اطلاق نہیں ہوتا ذیل میں ان میں سے بعض اہم امور اور انکے مستثنیٰ ہونے کے سبب کو بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ الأصل فی المضار التحریم(٦٢)

نقصان دہ اشیاء میں اصل تحریم ہے۔

قاعدہ اباحت سے اس استثناء کی بنیاد حضور اکرم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ ہے۔

لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام (٦٣)

اسلام میں نقصان اٹھانا اور نقصان پہنچانا جائز نہیں۔

۲۔ الأصل فی الأبضاع التحریم(٦٤)

''شرم گاہوں میں اصل تحریم ہے''۔

بعض فقہاء اس مفہوم کو ان الفاظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

الأصل فی الفروج التحریم ولایباح منها الامااباحه الله ورسوله(٦٥)

فروج میں اصل حرمت ہے سوائے ان فروج کے جن کو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مباح قرار دیا ہے۔

قاعدہ اباحت سے اسکے استثناء کی وجہ یہ ہے کہ اسلام نے شرمگاہوں کو محفوظ و مامون قرار دیا ہے اس لیے ان میں حرمت کو اصل ٹھہرایا گیا۔ان کا جواز صرف توالدوتناسل کی ضرورت کی وجہ سے ہے اسی لیے فقہاء کہتے ہیں۔

الأصل فی النکاح الحظر و انما ابیح للحاجة الی التوالدوالتناسل (٦٦)

نکاح میں اصل حرمت ہے یہ صرف توالدوتناسل کی حاجت کی وجہ سے مباح کیے گئے ہیں۔

۳۔ الأصل فی الأنفس والأطراف الحرمة(٦٧)

''نفوس اور اعضاء میں اصل حرمت ہے''۔

اس استثناء کی بنیاد یہ حدیث مبارکہ ہے۔

ان دماء کم وأموالکم و أعراضکم بینکم حرام (٦٨)

بے شک تمہارے خون تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تم پر حرام ہیں۔

قاعدہ اباحت کے عبادات پر اطلاق میں علماء برصغیر کی آراء:۔

عبادات کے بارے میں جہاں تک اباحت اصلیہ کے نظریہ اور قاعدہ کے اطلاق کا تعلق ہے تو بعض علماء برصغیر کی تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اباحت اصلیہ کے قاعدہ کو صرف معاملات میں قابل عمل سمجھتے ہیں۔عبادات میں اس پر عمل نہیں کرتے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ عبادات توقیفی ہے ان میں قاعدہ اباحت وغیرہ کا جاری کرنا بدعت اور احداث فی الدین کے زمرے میں آتا ہے۔ چنانچہ مولانا ابوالعاص وحیدی قاسمی سلفی اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں۔

''ایک اصولی بات ذکر کر رہا ہوں۔جس پر تقریباً تمام آئمہ وفقہا کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ عبادات میں اصلاً حرمت ہے۔عبادات کے علاوہ دوسرے امور ومعاملات میں اباحت ہے ان میں سے کسی چیز کی حرمت کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔(۶۹)

مفتی محمد لکھتے ہیں:

''اباحت اصلیہ کا قاعدہ عبادات میں جاری نہیں ہوتا۔''(۷۰)

اسی موقف کی ترجمانی کرتے ہوئی مولنا سرفراز خان(۲۰۰۹ھ) لکھتے ہیں:

''الغرض اباحت اصلیہ کے قانون کو عبادات میں جاری کرنا سراسر جہالت ہے۔''(۷۱)

علماء کی مذکورہ بالا عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اباحت اصلیہ کا قاعدہ اور نظریہ عبادات میں جاری نہیں ہوتا جبکہ دیگر علماء کے نزدیک جاری ہوسکتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ مختصراً اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ آیا عبادات میں قاعدہ اباحت جاری ہوسکتا ہے یا نہیں۔

عبادات کے حوالے سے اگرچہ عمومی ضابطہ یہی بیان کیا جاتا ہے کہ" الاصل فی العبادات التوقیف"(۷۲) کہ عبادات میں اصل توقیف ہے۔توقیف کا معنی ہے کہ جو شارع کے بتانے پر موقوف ہو، اس ضابطے کے ظاہر سے اور علماء برصغیر کے مذکورہ بالا بیانات سے تو یہ سمجھ آتا ہے کہ عبادات کے جملہ امور توقیفی ہیں لیکن عبادات سے متعلق نصوص اور کتب شریعت میں ائمہ وفقہا کی بیان کردہ تصریحات وتشریحات کے عمیق مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عبادات سے متعلق جملہ امور توقیفی نہیں ہیں۔بعض امور توقیفی ہیں جو شریعت کے بتانے سے ہی ہمیں معلوم ہوتے ہیں۔یہ وہ امور ہیں جن کی تعیین و ادراک عقل سے قاصر ہے جیسے نمازوں کے اوقات کا تعین،ان کے ارکان، شرائط، کیفیت ادا اور ان میں رکعات کی تعداد اور ترتیب افعال وغیرہ۔اسی طرح زکوۃ میں

تحدید نصاب، مصرف زکوٰۃ اور حج میں وقت وقوف اور مکان وقوف، مطاف، اشواط کی تعداد اور سعی وطواف وغیرہ ایسے امور میں جو توقیفی ہیں اسی طرح عبادات کی ادئیگی کی خاص وضع وھیئت جو شریعت نے متعین کر دی ہے جیسے نمازوں کی ادائیگی کے طریقے کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

صلوا کما رایتمونی اصلی(۷۳)
جیسے مجھے نماز پڑھتا دیکھو ویسے نماز پڑھو۔

مناسک حج کی ادائیگی کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

خذوا عنی مناسککم(۷٤)
اپنے حج کے مناسک مجھ سے سیکھو۔

یہ احادیث نماز اور مناسک حج کی ادائیگی کی ھیئت کو متعین کر رہی ہیں لہٰذا نماز اور مناسک حج کی ادائیگی کی ھیئت توقیفی ٹھہرے گی۔ اسی طرح وہ خاص اذکار وافعال جو خاص اوقات پر خاص مقاصد کیلئے علی وجہ التعین تعلیم فرمائے گئے۔ جیسے تکبیر تحریمہ، تشہد، اذان اور اقامت وغیرہ یہ امور بھی خالصتاً توقیفی ہیں۔ عبادات میں وہ امور جن کے متعلق شریعت میں نصاً اور دلالۃ کوئی قید وممانعت وغیرہ ثابت نہیں بلکہ نصوص میں ان احکام کو مطلق وعام الفاظ سے بیان کیا گیا ہے ان میں توقیف لازمی اور ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ برصغیر کے معروف عالم مفتی احمد رضا خان قادری حنفی (۱۳۴۰ھ) عبادات کی مذکورہ بالا توقیفی امور کی اقسام کو بیان کرنے کے بعد عبادات کے غیر توقیفی امور کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کے سوا باقی تمام امور جن میں نصاً و دلالۃً شرع مطہر سے تحدید وحظر اور توقیف وحجر ثابت نہیں۔ اگر چہ وہ انہیں توقیفات سے علاقہ رکھتے ہوں ان میں بھی توقیف (شارع کے بتانے) پر توقف نہیں، اگر چہ بوجہ تعلق توقیفی وقوف اولیٰ ہو لہٰذا دعائے قعدہ اخیرہ صرف الفاظ واردہ پر مقصور نہیں، ہر شخص جو چاہے دعا کر سکتا ہے۔ بعد اس کے کلام ناس سے مشابہ نہ ہو اسی طرح عیدین و غیرہا کے خطبے خصوصاً خطبہ جمعہ کہ شرط صحت نماز ہے ان میں الفاظ مرویہ پر اقتصار نہیں''۔ (۷۵)

اسی طرح صاحب تفسیر معارف القرآن مفتی محمد شفیع (۱۳۹۶ھ) بھی عبادات کی دو اقسام: (۱) عبادات مقصودہ اصلیہ (۲) عبادات غیر مقصودہ میں تقسیم کرنے اور ان کے درمیان فرق کو بیان کرنے کے بعد ان کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' عبادت مقصودہ و غیر مقصودہ میں فرق واضح ہو جانے کے بعد اب اُن کے متعلقہ احکام شرعیہ کا

فرق سمجھے، عبادت غیر مقصودہ یعنی ذرائع عبادت کے متعلق شریعت میں بڑی وسعت ہے، ان کا کوئی خاص طریقہ یا خاص وضع لازم ومقرر نہیں، ان میں کمی بیشی بھی کوئی جرم نہیں، جبکہ اصل عبادت میں کمی بیشی نہ ہو، اور ان میں ضرورت زمانہ واختلاف مقام کی وجہ سے تغیر وتبدل بھی کوئی گناہ نہیں، بشرط یہ کہ یہ تغیر خود کسی شرعی حکم کے خلاف نہ ہو۔(۷۶)

مزید لکھتے ہیں:

''اسی مضمون کو بعض علماء ومحققین نے ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے کہ حدیث میں احداث فی الدین یعنی دین میں کوئی نئی چیز پیدا کرنے کو بدعت قرار دیا گیا ہے۔ احداث للدین یعنی دین کی ضرورت کے لئے کوئی نیا ذریعہ پیدا کرنا اس میں داخل نہیں یہ حکم عبادت غیر مقصودہ کا ہے جو اصل میں خود عبادت نہیں بلکہ ذریعہ عبادت ہونے کے سبب عبادت کہلاتی ہے۔(۷۷)

مفتی نظام الدین صدر مفتی واستاد جامعہ اشرفیہ مبارکپور(۱۹۹۱ء) عبادت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عبادات تین طرح کی ہیں: ایک: تو وہ جو خالص توقیفی ہیں، جن کے اوقات، ارکان، شرائط، سنن، کیفیت ادا، اذکار سب شریعت طاہرہ نے متعین فرما دیئے ہیں۔ جیسے نماز پنج گانہ و جمعہ و عیدین اور روزے و حج و اعتکاف وغیرہ۔ دوسری: وہ عبادات جن میں کچھ امور متعین ہیں اور کچھ غیر متعین۔ جیسے نفل نماز، نفل روزے، وضو، تیمّم، غسل جنابت، زکوۃ عمرہ وغیرہ۔ تیسری: وہ عبادات جن کے ارکان، اوقات، شرائط، کیفیت ادا شرعاً معین نہیں ہیں، مطلقاً ان کی بجا آوری کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے درود شریف، ذکر خدا اور رسول ﷺ اور تعظیم خدا و رسول (جل جلالہ و a) وذکر صالحین وغیرہ''۔(۷۸)

مفتی نظام الدین کے بیان کے مطابق عبادت کی صرف پہلی قسم خالص توقیفی ہے اسی طرح عبادت میں وہ امور جو متعین ہیں صرف وہی توقیفی ہیں باقی امور غیر توقیفی ہیں ان میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔

عبادات میں قاعدہ اباحت کی بنیاد پر علماء برصغیر کے فتاویٰ:

عبادات کے توقیفی اور غیر توقیفی امور کی وضاحت کے بعد ذیل میں عبادات سے متعلق علماء برصغیر کے چند فتاویٰ بطور مثال ذکر کیے جاتے ہیں۔ جن میں علماء برصغیر نے اباحت اصلیہ کے قاعدہ کو بنیاد بناتے ہوئے عبادات کے بعض امور کو جائز اور مباح قرار دیا ہے۔

۱۔ نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال سے متعلق سوال کے جواب میں مفتی محمد نور اللہ نعیمی (۱۴۰۳ھ) لکھتے

ہیں۔

''ہاں بلاشبہ جائز ہے اور نماز میں بھی جائز ہے کہ شرع اطہر نے اس سے ممانعت نہیں فرمائی اور بلا ممانعت شرع کوئی شے ممنوع و ناجائز نہیں ہوسکتی قرآن کریم میں ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًم بَعْدَ اِذْ هَدٰهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ(۷۹)

کہ اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے گمراہ فرمائے، جب تک انہیں صاف بتا دے کہ کس چیز سے انہیں بچنا ہے۔''

اسی طرح فتاوی ثنائیہ میں ہے۔

''لاوڈ سپیکر کو امتداد صوت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔''(۸۰)

اسی طرح فتاوی نذیریہ میں مفتی اہلحدیث سوہدرہ پنجاب پاکستان لکھتے ہیں۔

''لاؤڈ سپیکر کے استعمال پر علماء اسلام کا عام طور پر اتفاق ہو چکا ہے۔عدم جواز کے قائلین اس کا ثبوت نہیں دے سکے اور نہ ہی اس کے عدم جواز یا ممانعت پر کوئی دلیل ملتی ہے۔''(۸۱)

ان فتاویٰ میں نماز میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کے جواز کی دلیل یہ دی گئی ہے کہ شریعت میں اس کی ممانعت نہیں ہے۔جسکا مطلب ہے کہ جب تک شریعت میں ممانعت وحرمت ثابت نہ ہوتو وہ چیز جائز اور مباح تصور کی جائے گی خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہی کیوں نہ ہو۔یہی اباحت اصلیہ کی حقیقت ہے۔

۲۔فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے سے متعلق سوال کے جواب میں مولانا ثناء اللہ امرتسری(۱۳۳۷ھ) لکھتے ہیں:

''بعد نماز فرض ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت ہے نہ بدعت کیونکہ ایک دوضعیف روایتوں سے ثبوت ملتا ہے جس سے نہ سنت ثابت ہوتی ہے نہ بدعت۔''(۸۲)

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت سے ثابت ہے یا نہیں علماء کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اس کا بیان کرنا یہاں مقصود نہیں ہے۔اس فتوی کو یہاں اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ موصوف نے مذکورہ بالا فتوی میں قاعدہ اباحت کو دلیل بنایا ہے جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ'' نہ سنت ہے نہ بدعت'' یعنی اباحت ہے۔دعا عبادت ہے اگر عبادات کے تمام امور توقیفی ہوتے ان میں قاعدہ اباحت جاری نہ ہوتا تو یوں فتویٰ نہ دیا جاتا۔

۳۔ تراویح کے بعد وعظ کرنے اور صلاۃ و سلام پڑھنے کے متعلق سوال کے جواب میں مفتی محمد تقی عثمانی(ولادت۱۳۶۲ء) لکھتے ہیں:

''یہ طریقہ فی نفسہ جائز ہے البتہ صلاۃ وسلام جہرا پڑھنے کا ایسا التزام واہتمام جائز نہیں جس سے ایسا کرنے کا مسنون یا ضروری ہونے کا شبہ ہو۔''(۸۳)

۴۔ کفن پر کلمہ لکھنے کے بارے میں مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں۔

''جائز تو ہے لیکن صحابہ کرامؓ، سلف صالحین سے منقول نہیں اس لیے نہ لکھنا ہی بہتر ہے۔''(۸۴)

نصوص اور صحابہ وتابعین کے عمل سے ثبوت نہ ہونے کے باوجود کفن پر کلمہ لکھنے کا جواز قاعدہ اباحت اصلیہ کی بنیاد پر ہے۔

۵۔ اعتکاف میں حجامت بنوانے سے متعلق سوال کے جواب میں مفتی نوراللہ نعیمی (۱۴۰۳ھ) لکھتے ہیں:

''حجامت بنوانا سنت ہے اور سنت مسجد میں ادا کرسکتا ہے جبکہ ممانعت نہ آئی ہو کہ اصل اباحت ہے ہاں مسجد میں ناخن، بال نہ گریں: ومن ادعی الخلاف فعلیه البیان بالبرهان''(۸۵)

۶۔ بھینس کی قربانی سے متعلق فتاوی ثنائیہ میں ہے:

''جہاں (قرآن میں) حرام چیزوں کی فہرست دی ہے وہاں یہ الفاظ مرقوم ہیں۔

لَّآ اَجِدُ فِیۡ مَآ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُهٗۤ۔(۸۶)

ان چیزوں کے سوا جس چیز کی حرمت ثابت نہ ہو وہ حلال ہے۔ بھینس ان میں نہیں اس کے علاوہ عرب لوگ بھینس کو گائے میں داخل سمجھتے ہیں۔''(۸۷)

قربانی عبادت ہے بھینس کی قربانی نصوص سے ثابت نہیں۔ اس فتوی میں بھینس کی قربانی کے جواز کی اساس نصوص میں منع نہ ہونا ہے۔ ثابت ہوا کہ عبادات میں بھی قاعدہ اباحت کا اجراء درست ہے۔

عبادات سے متعلق علماء برصغیر کے مذکورہ بالا بیانات اور عبادات میں قاعدہ اباحت کی بنیاد پر دیئے گئے چند فتاویٰ کی روشنی میں بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ قاعدہ اباحت کا اطلاق صرف معاملات تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق عام ہے عبادات میں بھی جاری ہوتا ہے۔ جیسا کہ نماز، دعا، قربانی اور وعظ وتبلیغ وغیرہ سب عبادات ہیں۔ ان سے متعلق مذکورہ بالا فتاویٰ میں مذکور مختلف امور وہ امور ہیں جن کے بارے میں نصوص خاموش ہیں۔ علماء برصغیر نے ان امور کے جواز کی یہ دلیل قائم کی ہیں کہ شرع میں ان سے منع ثابت نہیں جب تک کسی امر سے متعلق شرع میں ممانعت ثابت نہ ہو اور شرع میں اس کے متعلق کوئی بھی حکم بیان نہ ہوا ہو تو وہ امر قاعدہ اباحت کے تحت مباح ہوتا ہے خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے ہو۔ پس ثابت ہوا کہ قاعدہ اباحت اور نظریہ

اباحت اصلیہ کا اطلاق عام ہے۔عبادات اور معاملات دونوں میں جاری ہوتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) ابن عبد البر،ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر النمر ی،التمہیدلمافی الموطا من المعانی و الاسانید، ۴؛۶۷،۱۴۳،مغرب (مراکش) وزاۃ عموم الاوقاف والشؤن الاسلامیۃ ،۱۳۸۷ھ

(۲) سیوطی،عبدالرحمٰن بن أبی بکرسیوطی،۱:۲۰،دارالنشر ،دارالکتب العلمیۃ ، بیروت،الطبعہ الأ ولیٰ،۱۴۰۳ھ

(۳) عینی، بدرالدین محمود بن احمدالاندلسی، عمدۃ القادری:۸:۱۱۸،دارالنشر ،داراحیاء التراث العربی، بیروت،سن

(۴) البقرہ:۲:۲۹

(۵) ملاجیون، احمد بن بی سعید امیٹھوی المعروف ملا جیون (م۱۱۳۰ھ) ۔تفسیرات احمدیہ فی بیان الآیات الشرعیۃ۔۱۰لاہور،مکتبۃ الحرم، س۔ن

(۶) محمد قنوجی،صدیق حسن،فتح البیان فی مقاصد القرآن،البقرۃ،۱:۱۱۹،بیروت مکتبۃ العصریۃ،۱۴۱۲ھ،۱۹۹۲ء قنوجی،نیل المرام من تفسیر آیات الأحکام،۳،فیصل آباد (مامون کانجن) پاکستان، جامعہ تعلیم الاسلام

(۷) دریاآبادی،عبدالماجد،تفسیر ماجدی،۱:۹۱،کراچی،مجلس نشریات قرآن باراول ۱۴۱۸،۱۹۹۷ء

(۸) سعیدی،غلام رسول،تبیان القرآن،۱:۳۴۶۔۳۴۸،لاہور،فرید بک سٹال،ذوالقعدہ ۱۴۲۵ھ،جنوری ۲۰۰۳ء

(۹) الأعراف،۷:۳۲

(۱۰) ملیح آبادی، سید امیر علی۔تفسیر مواهب الرحمن۔ پارہ،۸؛۱۰۹،مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ شاہ عالم مارکیٹ لاہور، جنوری ۱۹۷۷ء

(۱۱) مودودی،أبوالاعلیٰ سید محمد۔تفہیم القرآن۔۲،۲۳، لاہور،مکتبہ تعمیر انسانیت،چودھواں ایڈیشن، ۱۴۰۱ھ۔۱۹۸۰ء

(۱۲) ابوالحسنات، سید محمد احمد قادری۔ تفسیر الحسنات۔ ۲:۵۵۸، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء

(۱۳) نعیمی، احمد یار خان، مفتی۔ تفسیر نعیمی۔ ۸:۴۷۴ لاہور، مکتبہ اسلامیہ، س۔ن

(۱۴) نعیمی، تفسیر نعیمی، ۸:۴۷۶

(۱۵) المائدہ، ۵:۴

(۱۶) عثمانی، شبیر احمد عثمانی، علامہ۔ تفسیر عثمانی۔ ۱:۴۹۹ لاہور، مکتبۃ الحسن جامعہ اشرفیہ، ۱۴۲۵ھ۔ ۲۰۰۴ء

(۱۷) الاعراف۔ ۷:۳۲

(۱۸) ملیح آبادی، تفسیر مواهب الرحمن، تفسیر المائدہ، ۴۸: ۴۹

(۱۹) ابوالحسنات، تفسیر الحسنات: ۲:۵۷

(۲۰) الأعراف، ۷:۳۱

(۲۱) محمد شفیع، مفتی، تفسیر معارف القرآن، ۳:۵۴۵، کراچی، ادارہ المعارف، س ن

(۲۲) محمد نعیم، أنوار القرآن، ۳:۴۳۴

(۲۳) الانعام، ۶:۱۴۵

(۲۴) ابوالحسنات، تفسیر الحسنات، ۲:۴۸۷

(۲۵) کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا، معارف القرآن، ۲:۴۴۱، طبع اول، ۲۰۰۶ء

(۲۶) المائدۃ، ۵:۱۰۱

(۲۷) عثمانی، تفسیر عثمانی، ۱:۵۷۷

(۲۸) مراد آبادی، خزائن العرفان، ۱۷۹

(۲۹) الأنعام، ۶:۱۱۹

(۳۰) الانعام، ۶:۱۱۹

(۳۱) النساء، ۴:۲۴

(۳۲) الانعام، ۶:۱۴۵

(۳۳) نعیمی، تفسیر نعیمی، ۸:۵۳

(۳۴) فضل شاہ۔ تفسیر فاضلی۔ (مقدمہ از محمد اشرف فاضل)، ۲:۱۵۷ لاہور، فاضلی فاؤنڈیشن، طبع سوم، ۱۹۹۷ء

(۳۵) بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹۴-۲۵۶ھ/۸۱۰-۸۷۰ء)، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یکرہ من کثرة السؤال و من تکلف ما لا یعنیه، ۶: ۲۶۵۸، رقم:

۶۸۵۹، بیروت، لبنان: دارابن کثیر الیمامہ، ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء

(۳۶) امجدی، محمد شریف الحق نزھۃ القاری، ۵:۹۲۳ تا ۹۲۵، لاہور ، فرید بک سٹال اردو بازار، طبع اول ، ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ جولائی ۲۰۰۰،

(۳۷) ترمذی، محمد بن عیسی ابوعیسی الترمزی السلمی ،الجامع الصحیح سنن ترمزی، کتاب اللباس عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء في لبس الفراء ،۴: ۲۲۰، رقم: ۱۷۲۶، دارالنشر ،داراحیاء التراث العربی، بیروت، س ن

(۳۸) طبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰-۳۶۰ھ/۸۷۳-۹۷۱ء)۔ مسند الشامیین۔ ۳: ۲۰۹، رقم: ۲۱۰۲، بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء۔

(۳۹) دہلوی، عبدالحق، اشعۃ اللمعات، ۳: ۵۰۶، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر (پاکستان) س ن

(۴۰) البقرہ، ۲: ۲۹

(۴۱) ملاعلی قاری، علی بن سلطان محمد القاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ۸: ۵۷، دارالنشر ،دار الکتب العلمیۃ ، لبنان، بیروت، الطبعۃ الاولی ،۱۴۲۲ھ ۲۰۰۱ء

(۴۲) طبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰-۳۶۰ھ/۸۷۳-۹۷۱ء)۔ المعجم الکبیر۔ ۲۲: ۲۲۱، رقم: ۵۸۹، موصل، عراق: مکتبۃ الزہراء الحدیثۃ، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء۔

(۴۳) حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم ۷۱۱۴، قال الھیثمی ،و رجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد، ۱: ۱۷۱

(۴۴) البقرۃ، ۲: ۲۹

(۴۵) ملاعلي القاري، مرقاۃ المفاتیح، ۱: ۲۶۳،

(۴۶) خطیب تبریزی، ولی الدین أبوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ (م ۷۴۱ھ)۔ مشکوٰۃ المصابیح۔ باب الاعتصام الکتاب و السنۃ ،الفصل الثانی، ۱: ۶۴، ۶۵، رقم ۱۸۳، بیروت، لبنان: المکتب الإ سلامی، ۱۹۸۵ء

(۴۷) گکھڑوی، سرفراز خان صفدر، مولانا، راہ سنت ،۱۰۴، گوجرانوالہ، مکتبہ صفدریہ، ۱۸واں ایڈیشن، صفر ۱۴۱۳ھ اگست ۱۹۹۶ء

(۴۸) حاکم، المستدرک، ۴: ۱۲۹، رقم ۷۱۱۴، قال الھیثمی ،و رجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد، ۱: ۱۷۱

(۴۹) ترمذی، السنن، کتاب اللباس عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء في لبس الفراء، ۴: ۲۲۰، رقم: ۱۷۲۶

(۵۰) گکھڑوی، راہ سنت، ۱۰۵

(۵۱) ترمذی، السنن، کتاب اللباس عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء في لبس الفراء، ۴: ۲۲۰، رقم: ۱۷۲۶

(۵۲) ایضاً

(۵۳)　طبرانی،مسند الشاميين ،۳:۲۰۹،رقم،۲۱۰۲،

(۵۴)　المائدہ،۵:۳

(۵۵)　زرکشی، ابو عبد اللہ محمد بن بہادر بن عبد اللہ (۷۴۵/۷۹۴ھ)۔ البحر المحيط فی اصول الفقہ۔ ، ۴:۴۲۲، بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ،۲۰۰۰ء۔

(۵۶)　اسنوی،عبد الرحیم بن الحسن ابو محمد (۷۰۴ھ۔۷۷۲)۔ التمهيد۔، ا: ۴۸۸، بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۰ھ۔

(۵۷)　الاسراء، ۱۷:۱۵

(۵۸)　القصص، ۲۸:۵۹

(۵۹)　التوبۃ، ۹:۱۱۵

(۶۰)　محمد سلام، مدکور۔ نظرية الإباحة عند الأصوليين والفقهاء۔،۵۰۵، دار النھضۃ العربیۃ، الطبعۃ الثانیۃ،۱۹۸۴ء

(۶۱)　الشبتی، ترکی بن یحیٰ الشبتی، موقف الشريعه الاسلاميه من القاعده القانونيه لا جريمة ولا عقوبة الا بنص ۶۸، مکۃ المکرّمہ، جامعۃ ام القریٰ، (رسالۃ الماجستیر) ۹ کلیۃ الشرعیہ والدراسات الاسلامیہ، شعبۃ الفقہ، ۱۴:۸ھ

(۶۲)　ابن حاج امیر،التقير و التحبير،۲:۱۳۴

(۶۳)　ابن ماجه، السنن، كتاب الأحكام ،باب من بنى فی حقه ما يضر بجاره،رقم:۲۳۴۰

(۶۴)　سیوطی، الأشباه والنظائر،۶۱

(۶۵)　ابن نجیم،البحر الرائق، كتاب الطلاق،۳:۲۵۵

(۶۶)　سیوطی،الأشباه والنظائر،۶۱

(۶۷)　دمشقی، ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر بن ایوب بن سعد،۲: ۸، دار النشر ، ریائی بیروت، ۱۴۱۸ھ

(۶۸)　بخاری،عبدالعزیز، كشف الأسرار،۳:۹۵

(۶۹)　بخاری، الصحیح ،کتاب العلم ،باب رب مبلغ اوعى من سامع،ا:۳۷،الرقم:۶۷

(۷۰)　مفتی محمد،ضرب مومن،آپ کے مسائل اوران کا حل، ۲۷ مئی ۲۰۰۵ء

(۷۱)　گکھڑوی، باب جنت، ۷۶

(۷۲)　ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم،مجموع الفتاوىٰ، ۲۹:۱۷، قاہرہ، مکتبہ ابن تیمیہ، الطبعہ الثالثہ، ۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۵ء

(۷۳)　بخاری، الصحيح، كتاب الاذان، باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة، ا:۲۲۶، رقم: ۶۰۵

(۷۴) بیهقی، السنن الکبری، ۵: ۱۲۵، رقم: ۹۳۰۷، مکتبة دارالباز، مکة مکرمة، ۱۴۱۴ھ

(۷۵) بریلوی، احمد رضا، حاشیة اذاقة الآثام لما نعی عمل المولد و القیام، ۱۳۵

(۷۶) محمد شفیع، مفتی، آلات جدیدہ کے شرعی احکام ۳۴ تا ۳۶، کراچی، ادارہ المعارف طبع جدید محرم الحرام ۱۴۱۴ھ۔ جولائی ۱۹۹۳ء

(۷۷) ایضاً، ۳۶

(۷۸) نظام الدین، مفتی۔ فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول، ۲۵۰، ناشر دارالنعمان، کراچی، طبع ثانی فروری، ۲۰۰۳ء

(۷۹) التوبہ، ۹: ۱۱۵

(۸۰) امرتسری، ابوالوفاء، ثناء اللہ، مولانا۔ فتاوی ثنائیہ۔ ۱: ۵۹۰، سرگودھا، ثنائیہ النور اکیڈمی س ن

(۸۱) ایضاً، ۱: ۵۹۱

(۸۲) ایضاً، ۱: ۵۰۰

(۸۳) تقی عثمانی، فتاوی عثمانی، ۱: ۱۱۶

(۸۴) ایضاً، ۱: ۱۱۸

(۸۵) نعیمی، نوراللہ، فتاوی نوریہ، ۱: ۲۱۲

(۸۶) الانعام، ۶: ۱۴۵

(۸۷) امرتسری، فتاوی ثنائیہ، ۱: ۸۱۰

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆